صدیق اقبال
پی ایچ۔ڈی، اردو اسکالر، ہزارہ یونی ورسٹی، مانسہرہ
ڈاکٹر محمد الطاف یوسفزئی
استاد شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین
صدر شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی، پشاور

مختار مسعود کی نثر میں منظر نگاری

Sadiq Iqbal
Scholor PhD Urdu, Hazara University Mansehra.
Dr.Altaf Yousof Zai
Assistant Professor, Department of Urdu, Hazara University Mansehra.
Prof. Dr. Rubina Shaheen
Head Department of Urdu, Peshawar Uniersity, Peshawar.

Imagery in Mukhtar Masood's Prose

In regards to imagery, this might not be wrong. The depiction of all materials and non-material, natural and unnatural in a literary art form becomes a picture in front of the reader's eyes. If the scene seen by a poet or a prose writer is drawn with words, So that could be the Imagery. Analyzes of artistic, philosophical, moral and psychological objects by nature are also included in the visualization category. The beauty in prose is because of the imagery itself. It would be absurd to say that good prose is the name of a good scenery. It is the job of the prose writer to convey what he sees or hears with words. they create a special setting with balance and put it to words. As such, everything in the world falls into the realm of imagery. In Mukhtar Masood's prose, visualization is of paramount importance. his prose presents beautiful specimens of the imagery of the universe everywhere. This carefully created imaginary prose inspires the reader. This article highlights the definition, comparison and the imagery contained in Mukhtar Masood's prose.

Key Words: *Mukhtar Masood, Imagery, importance, visualization, visual imagery, natural imagery, Material and non material imagery.*

عام طور پر قدرتی مناظر کی عکاسی کو منظر نگاری سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ صبح ازل ہی سے انسان اور فطرت میں ایک لازوال رشتہ قائم ہے۔ سورج کی نور برساتی ہوئی کرنیں، چاند کی خنک خنک دوھیا روشی، شفق کی دلنواز سرخی، ادھر اُدھر سے نکلتی ہوئی ندیاں، سمندر کی بے کرانی، برسات کی طرب خیزی، پھولوں کی شگفتگی، جھومتی ہوئی ہری بھری فصلیں، لہلہتا ہوا نرم نرم سبزہ، کوہساروں کا شکوہ، درختوں کے گنے گنے سائے، خلا میں اڑتے ہوئے مختلف قطاریں نیز کائنات میں موجود تمام متعلقات زندگی، ہمیشہ ہمارے ذہنوں میں حیرت، بہجت اور تازگی پیدا کرتی ہے۔ فطرت لا محدود ہے اور اس کا وسیع دامن کئی نقوش اور کئی رنگوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ فطرت کی تعریف میں صرف قدرتی مناظر ہی نہیں، بلکہ فطرت کائنات کے خارجی اور داخلی عناصر کا دلچسپ مرکب ہے۔ چوں کہ انسان بھی وسیع و عریض کائنات کا ایک اہم حصہ ہے اس لحاظ سے اس کے تمام عوامل بھی فطرت کے محور میں شریک ہیں۔ لہٰذا فطرتی و غیر فطرتی کسی بھی منظر کا ہو بہو تصویر الفاظ کے ذریعے بنانا منظر نگاری ہے۔ منظر نگاری کی صحیح تعریف کا تعین کیا جائے تو جس طرح فطرت اپنے معنی و مفہوم میں وسیع اور بے کراں ہے اسی طرح منظر نگاری کو بھی ایک خاص معنی و مطلب میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ملنسار اطہر احمد کہتے ہیں:

> "منظر نگاری کے تعلق سے اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو گا کہ کسی شہ پارے میں مادی اور غیر مادی ہر دو اشیا کی تصویر کشی سے قاری کی نظروں کے سامنے شاعر یا ادیب کا دیکھا ہوا اصلی منظر کھینچ جائے تو یہی منظر نگاری ہو سکتی ہے۔ فطرت کے ذریعہ متصوفانہ، فلسفیانہ، اخلاقی اور نفسیاتی مسائل کا تجزیہ وغیرہ بھی منظر نگاری کے زمرہ میں شامل ہے۔"(۱)

زمیں کی گلکاری، آسمان اور خلا کی جادوئی فضا، سماجی جلسے، شادی بیاہ کی رسمیں، نوحہ خوانی، جنگ و جدل کی معرکہ آرائیاں، مہمات کی داستانیں، سفر اور حضر کے دلچسپ واقعات، سماجی اور ثقافتی مجلسیں سب کے سب منظر نگاری کے زمرے میں آتے ہیں۔ گویا شاعری یا نثر میں کائنات کے تمام مظاہر اور واقعات کی مرقع کاری منظر نگاری ہے۔ منظر نگاری کے لئے علوم و فنون کا عمیق مطالعہ نہایت ہی ضروری ہے۔ ہماری یہ دنیا کئی دلچسپ مظاہر اور گلکاریوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ انسانی جاہ و حشمت کے مختلف مظاہرے، بزم و رزم کے واقعات اور سائنس کے حیرت ناک کرشموں کو منظوم یا نثر میں سمویا جائے تو لفظوں کے پیکر میں کئی صورتیں نمودار ہوں گی۔ مہابھارت کی

لڑائی اور ہیروشیما کا دلدوز واقعہ، دونوں جنگ کی تعریف میں آتے ہیں لیکن ان کی منظر کشی جدا جدا ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ ان دونوں کا اندازِ حرب یکساں نہ تھا۔ لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ منظر نگاری پر تحدید لگائی نہیں جاسکتی۔ بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور مختلف علوم وفنون کی ترقی سے منظر نگاری کی ہئیتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی منظر نگاری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جس طرح کسی چیز کی تعریف کرنا اور اس کو الفاظ کے حدود میں لانا مشکل ہے، اسی طرح منظر نگاری کی تعریف واضح الفاظ میں کرنا ایک اہم کام ہے۔ مختلف ادیبوں اور نقادوں نے منظر نگاری کی تعریف اپنے نقطہ ء نظر سے کی ہے۔ مگر ان کے خیالات یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوں تو منظر نگاری اس شاعری یا نثر کو کہتے ہیں جس میں کسی بھی منظر کی عکاسی کی گئی ہو، مگر خاص طور منظر نگاری کا اطلاق اس فن پارے پر ہوتا ہے جس میں مناظر قدرت کا بیان ہو۔"(۲)

انگریزی ادیبوں اور نقادوں نے بھی منظر نگاری کی مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہڈسن منظر نگاری کے لیے Treatment of Nature کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ای البرٹ بھی منظر نگاری کو Treatment of Nature سے تعبیر کرتا ہے۔ اس بحث کو اختصار کا جامہ پہناتے ہوئے بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ منظر نگاری میں صرف قدرتی مناظر کا بیان ہی مقصود نہیں بلکہ وہ خطوط، لکیریں اور اشارے بھی اس میں شامل ہیں جن سے کئی تصویریں بنتی ہیں۔ منظر نگاری کے معنی و مفہوم کی اسی وسعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مختار مسعود کی نثر میں منظر نگاری کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ داستان، قصہ، کہانی، واقعہ، حالات اور کیفیتات ان سب میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے لکھنے والا ماحول اور کرداروں کی درست تصویر کشی کے لیے ان سے متعلق تفصیلات کا بیان کرتا ہے۔ نثری اصناف میں مفصل منظر نگاری ناول میں ہو سکتی ہے، لیکن مختار مسعود کی نثری تصانیف میں اس صنف کی متنوع جہات دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً ایک قحط زدہ ماحول اور اس سے بننے والے حالات وکیفیات کی منظر نگاری وہ یوں کرتے ہیں:

> "بستی، گھر اور زبان خاموش۔ درخت، جھاڑ اور چہرے مرجھائے۔ مٹی موسم اور لب خشک۔ ندی، نہر اور حلق سوکھے۔ جہاں پانی موجیں مارتا تھا وہاں خاک اڑنے لگی، جہاں سے مینہ برستا تھا وہاں سے آگ برسنے لگی۔ لوگ پہلے نڈھال ہوئے پھر بے

حال۔ آبادیاں اجڑ گئیں اور ویرانے بس گئے۔ زندگی نے یہ منظر دیکھا تو کہیں دور نکل گئی، نہ کسی کو اس کا یارا تھا نہ کسی کو اس کا سراغ۔ یہ قحط میں زمین کا حال تھا۔"(۳)

فکشن میں منظر نگاری اور جزیات نگاری کی بہت اہمیت ہے کہ اس سے مناظر زندہ ہو جاتے ہیں اور کردار جی اٹھتے ہیں۔ محمد حسین آزاد کی نثر، ڈپٹی نذیر احمد اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ناول، منٹو اور پریم چند کے افسانوں میں منظر نگاری کے فن کی طرح مختار مسعود نے بھی اس صنف سے خوب استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے مختلف مناظر کی ایسی تصویر کشی کی ہیں کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

نوجوان مسلمانوں کی ایسوسی ایشن کے نام سے مدراس میں ایک انجمن ہوا کرتی تھی۔ اس انجمن میں تقریر کرنے کے لیے سروجنی جائیڈو (سابقہ گورنر یوپی) آرہی تھی۔ یہ وہ سروجنی نائیڈو تھی جن کے دستخط مختار مسعود کے اٹوگراف البم میں بیسویں صفحہ پر موجود ہیں۔ سہ پہر کو طلبہ کے یونین حال میں سروجنی کے اعزاز میں جلسہ تھا۔ وہ جب کسی نئے شہر میں جاتی تھی تو ہمیشہ اس خصوصی استقبال کی منتظر رہتی جو انھیں وہاں کے مسلمانوں سے میسر آتا تھا۔ اس سلسلے میں نہ انھیں مایوسی ہوئی اور نہ کبھی ان کی حق تلفی ہوئی۔ سروجنی ۴۸۔۱۹۴۷ء کے تعلیمی سال میں علی گڑھ آمد کی منظر کو لفظوں میں بیان کرتے ہوئے مختار مسعود یوں رقم طراز ہیں:

"یونیورسٹی گیٹ سے وکٹوریا گیٹ تک ان کی موٹر کو طلبہ کے گھڑ سوار دستے کی جلوس میں لایا گیا۔ معزز مہمان کی موٹر آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور گھوڑے شاہگام چل رہے تھے۔ سوار زین سے لگے بیٹھے تھے۔ ان کی وردی بڑی خوشنما تھی۔ گہرے سبز رنگ کے ٹرکش کوٹ، سبز پگڑی، سنہری کلاہ، سنہری جھالر، سفید برجس، سفید دستانے، سیاہ جوتے اور پنڈلیوں پر اسی رنگ کی گرم پٹیاں، دوش اور کمر میں چمڑے کی پیٹی جس کے ساتھ تلوار لٹکی ہوئی تھی۔"(۴)

سروجنی وکٹوریا گیٹ پر اتر گئیں اور سوار مسجد کے پاس جا اترے۔ تھوڑی دیر بعد جلوس شعبہ تاریخ کی عمارت سے اسٹریچی ہال کی طراف روانہ ہوا:

"سرخ بانات بچھی ہوئی تھی۔ دستے کے دو لڑکے آگے آگے چل رہے تھے، ان کے بعد سروجنی اور نواب اسماعیل تھے، باقی دستہ دو دو کی صف بنائے پیچھے پیچھے چل رہا

تھا۔ دستے کی سج دھج خوب تھی، سر اٹھائے، سینہ پھلائے، قدم ملائے اور آبدار تلواریں بے نیام کئے ہوئے۔"(۵)

مختار مسعود ایک گھاگ مصور کی طرح الفاظ کے بر محل استعمال سے ایسی تصویر بناتے ہیں جس میں ہر رنگ توازن کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ عام تصویر اگرچہ مادی اشیا اور انسانی جذبات کی عکاسی پر قدرت رکھتی ہے تا ہم بہت سے حالات و واقعات ایسے ہوتے ہیں جنھیں تصویر میں سمونا مشکل تر ہوتا ہے، جب کہ شاعرانہ مصوری میں ہر خیال، ہر واقعہ، ہر کیفیت کی تصویر بہ آسانی کھینچ سکتی ہے۔ عام مصوری اور شاعرانہ مصوری میں فرق یہ ہے کہ مصوری میں تفصیل سے کام لیا جاتا ہے اور محاکات میں اجمال و ایما سے۔ یعنی شاعر ان نمایاں صفات کو اجاگر کرتا ہے جن سے جذبات بر انگیختہ ہوتے ہیں۔ تصویروں کا اثر اتنا ہی ہوتا ہے جتنا اصل شے کو دیکھنے سے ہوتا ہے۔ کسی شے، منظر یا حالت کی ہو بہو عکاسی مختار مسعود کا کمال فن ہے.

اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس کے سلسلے میں آئے ہوئے بیرونی صحافیوں کے ساتھ مختار مسعود شمالی علاقہ جات کی سیر کرتے ہوئے تربیلا ڈیم کے اوپر محو پرواز تھے۔ برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کے نیچے تربیلا بند ہے جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ جہاز نے ایک طرف جھک کر تربیلا کا چکر لگایا۔ یہ مٹی کا لمبا چوڑا بند ہے۔ ذرا سے حصے میں خلا ہے جسے اب پر کر رہے ہیں۔ یہ بند کی تعمیر کا آخری مرحلہ ہے۔ ہوائی جہاز نے دوسری طرف جھک کر تربیلا کا چکر لگایا۔ تصویر کا نیا رخ سامنے آیا۔ انھوں نے تربیلا کے پایاب جھیل پر ایک نظر ڈالی۔ دس سال پہلے کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آیا۔ نظریں پانی کی بے نشان سطح پر اس مقام کو ڈھونڈ رہی ہیں جہاں ادھر کبھی ایک ڈاک بنگلہ ہوا کرتا تھا۔ اس بنگلے کا منظر مختار مسعود بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ چھوٹا سا بنگلہ جنگل میں یوں کھڑا تھا جیسے ایک خوش نما کھلونا جسے کوئی بچہ دریا کے کنارے بھول آیا ہو۔ سفید عمارت جس کے برآمدہ کی محرابیں سفید رنگ کی جالی سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ دور سے عمارت ایسی لگتی جیسے کسی کاٹیج کی فریم کی ہوئی تصویر وادی میں آویزاں ہو۔ تین چھوٹے چھوٹے کمرے، فرش پر کم قیمت اور سادہ قالین، ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ کا ایک صوفہ بھی، اس پر بیٹھتے ہی آدمی ماضی کی وسیع اور نرم آغوش میں گم ہو جاتا۔ جہاں سے اب ملک بھر میں بجلی فراہم کی جائے گی وہاں ان دنوں چراغ شام کی لو اٹھانے کے لیے مٹی کا تیل استعمال کرتے تھے۔ سہ پہر کو صاحب لوگ کے

لیے باغ میں آرام کرسیاں لگ جاتیں اور ملازم دودھیا شیشہ کی چمنیوں سے دھوئیں کی کالک چھٹانے میں مصروف ہو جاتے۔ وادی کا سارا حسن اس ڈاک بنگلہ کے پائیں میں اُمڈ آیا تھا۔ عمارت کی کرسی باغ سے گز بھر اونچی تھی مگر دریا کی سطح باغ کے بالکل برابر تھی۔ باغ اور دریا کی حد بندی پھولوں سے لدھی پھندی کیاریوں نے کی ہوئی تھی۔ سبزہ پر بیٹھ کر دیکھا تو سطح آب پر پھول کھلے ہوئے تھے۔ مغرب کی نماز پڑھی تو یوں لگا جیسے سجدہ آبِ رواں پر کیا ہو۔"(۶)

ادیب، شاعر یا نثار کو اکثر موقعوں پر مشکل مرحلوں کا سامنا ہوتا ہے، یعنی نہ اصل کی پوری تصویر کھینچ سکتا ہے، کیوں کہ بعض جگہ اس قسم کی پوری مطابقت احساسات کو برانگیختہ نہیں کر سکتی، نہ اصل سے زیادہ دور ہو سکتا ہے ورنہ اس پر اعتراض ہو گا کہ صحیح تصویر نہیں کھینچی، اس موقع پر اس کو اکثر تخئیل سے بھی کام لینا پڑتا ہے، وہ ایسی تصویر کھینچتا ہے جو اصل سے آب و تاب اور حسن و جمال میں بڑھ جاتی ہے۔ مختار مسعود اس فن سے بخوبی واقف تھے جس کا انھوں نے ہر موقع پر بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کی دوسری تصنیف "سفر نصیب" کو منظر نگاری کا مرقع کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ کتاب اول تا آخر، ہر موضوع اور ہر پیراگراف منظر نگاری کا نمونہ ہے۔ ان کی منظر نگاری میں فکر اور فن کی خوب صورت امیزش پائی جاتی ہے۔ پہاڑ ہوں یا میدان، ہوٹل ہوں یا محلات، شہر ہوں یا جنگلات و قبرستان سب میں وہ ایک ایسے مصور کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں جس کو ہر رنگ کینوس پر اتارنے کے ہنر پر مکمل عبور حاصل ہو۔ وہ جب کسی منظر کو الفاظ میں قید کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے وہ منظر مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے کھڑا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں مصوری اور خطاطی کے تذکرے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ایران کے مشہور مصور رضا مافی سے ان کو بڑی عقیدت تھی۔ رضا مافی کے ہاتھوں کے سونے کے ورق پر سعدی کے لکھے ہوئے کئی اشعار وہ محفوظ کر چکے ہیں۔ تہران سے رخصت کے وقت آر سی ڈی کے عملے نے دفتر میں جمع ہو کر چائے پلائی اور ان کو سونے کے ورق پر رضا مافی کے قلم سے سعدی کا بیت لکھا ہوا بطور تحفہ دیا۔ مصوری اور خطاطی سے عشق نے ان کو لفظوں کا مصور بنا دیا۔ ان کی اسی مصوری کا ایک نمونہ جس میں لندن بروک وڈ کے ایک قبرستان کی تصویر کشی کی گئی ہے کچھ یوں ہے:

"اسٹیشن کی عمارت سے باہر نکلا تو اس شہر کا نام و نشاں بھی نہ پایا جو میرے اندازے نے وہاں بسایا تھا۔ ایک اور ہی شہر آباد تھا۔ بہت بڑا اور بے جان جسے شہر خموشاں کہتے

ہیں۔ میلوں میں پھیلا ہوا وسیع قبرستان جس کی چمن بندی کی ہوئی ہے۔ سرو سبزہ، قطعے ،روشیں۔ روش روش اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیراہن والے پھولوں کے بجائے سنگ مرمر کی لوحیں قطار اندر قطار قبروں کے سرہانے سوگوار کھڑی ہیں۔ میل بھر پیدل چلنے کے بعد مڑ کر دیکھا۔ تا حدِ نگاہ قبریں ہی قبریں، تا حدِ خیال موت ہی موت۔ حشر کا پھیلا ہوا میدان ہے۔ مردوں کی حاضری لگ رہی ہے۔ ہر ایک نے سنگ مرمر کا سرد اور بے جان ہاتھ اٹھایا ہوا ہے۔ لندن اگر زندوں کا بروک ووڈ ہے تو بروک وڈ مردوں کا لندن ہے۔"(۷)

مختار مسعود بات سے بات اور ایک موضوع میں کئی موضوعات نکالنے کا فن خوب جانتے ہیں۔ مکاو میں اپنے ایک دوست ڈاکٹر غلام حسین کے ہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ ڈاکٹر صاحب انجمن اسلامیہ کی صدارت کے فرائض ادا کرنے کے لیے سوگواروں کی طرف چلے گئے جو صبح سے انھیں تلاش کر رہے تھے۔ مختار مسعود اور ان کی بیوی مسجد میں داخل ہوئے۔ ہر شے نئی نویلی، دیواروں پر بے داغ سفیدی، لکڑی پر چمکتا پالش، شیشہ صاف اور شفاف، دری کی صفیں دھلی ہوئی۔ چند نسخے قرآن مجید کے رکھے ہوئے ہیں اور کچھ تبلیغی پمفلٹ۔ مسجد کے باہر قبروں کے پاس جو لگ کھڑے ہیں اب ان کی باتوں کی آواز یہاں تک آرہی ہے۔ یہ آوازیں لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی ہیں۔ اب یہ اتنی بلند ہو چکی ہیں کہ بلاشبہ باہر جھگڑا ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ذرا کی ذرا میں آپے سے باہر ہو چکے ہیں۔ ایک منحنی نوجوان جو تھوڑی دیر پہلے بنیان پتلون پہنے قبر کھود رہا تھا قمیص اور جوتے پہن کر سامنے ڈٹا ہوا ہے۔ قبر کی جگہ پر دونوں کی تکرار شروع ہوئی۔ تکرار جھگڑے تک پہنچی۔ دو آدمی بیچ بچاو کر رہے ہیں۔ نوجوان چھوٹے قد اور دبلے جسم کا ہے۔ لڑنے کے لیے آواز اونچی کرتا ہے تو بے سرا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے پھیپھڑے یکایک جوان ہو گئے ہیں۔ وہ گرجتے ہیں اور کڑکتے گھک جاتے ہیں تو پھنکارنے لگتے ہیں۔ لڑائی ٹوٹی اردو اور پھوٹی انگریزی میں ہو رہی ہے۔ دلیل میں وزن پیدا کرنے کے لئے گذری ہوئی نسلوں کو پنجابی میں یاد کیا جارہا ہے اور آنے والی نسلوں کا پرتگالی میں استقبال ہو رہا ہے۔ دونوں گھتم گتھا ہونا چاہتے ہیں مگر دوسرے اجازت نہیں دے رہے۔ جھگڑے کے اس منظر کو انھوں نے یوں قلم بند کیا ہے:

"لڑکا کہہ رہا ہے یہ میری دادی کا قبر ہے اور بیچ میدان بنے گی۔ ہم تم کو پیسہ کس بات کا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں، مجھے پیسے دینے والا کوئی مائی کا لال پیدا نہیں ہوا۔ میں

ہر گز قبر بننے نہیں دوں گا۔ڈاکٹر صاحب چیخ چیخ کر نڈھال ہو گئے ہیں۔نہ نہ کی رٹ لگائے جا رہے ہیں۔وہ تھک کر ایک قبر پر بیٹھ جاتے ہیں۔سانس پھولا ہوا ہے، چہرہ سرخ ہے اور گلا خشک۔خاموشی کا وقفہ ختم ہوا لڑائی پھر شروع ہو گئی ہے۔نیا گولہ بارود کہاں سے آئے۔بس ایک تکرار ہے سو دونوں اپنے اپنے جملے دہرا رہے ہیں جیسے وہ صرف ریہرسل تھا اور یہ اصل لڑائی ہے۔یہاں قبر نہیں بنے گی۔روکے کون روکتا ہے۔میں جو کہتا ہوں۔تم کون ہوتے ہو۔مجھے نہیں جانتے میں کون ہوں(سینہ پر ہاتھ مار کر)۔جانتا ہوں۔تمھاری خراب شہرت کون نہیں جانتا۔زبان سنبھال کر بات کرو میرا نام نونو خان ہے نونو خان۔ڈاکٹر صاحب اسے دیکھ کر سر پیٹ لیتے ہیں۔ہائے ہائے برا ہوا اس بڑھاپے کا۔یہ کل کا چوکرا میرے منہ لگ رہا ہے۔نہ ہوئی جوانی ورنہ خون پی جاتا اس کا۔ڈاکٹر صاحب نے رومال نکال کر پسینہ صاف پونچھا۔قمیص جو لڑائی کے دوران پتلون سے باہر نکل آئی تھی اسے واپس اندر ڈالا،جیب سے کنگھی نکال کر بالوں میں پھیری اور خاموشی سے میرے ساتھ روانہ ہوا۔"(۸)

نثر میں جو جان آتی ہے منظر نگاری ہی سے آتی ہے۔یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ اچھی نثر ایک اچھی منظر نگاری کا نام ہے۔قوت منظر نگاری کا یہ کام ہے کہ جو کچھ دیکھے یا سنے اس کو الفاظ کے ذریعہ سے بعینہ ادا کر دے، لیکن ان چیزوں میں خاص ترتیب پیدا کرنا تناسب اور توافق کو کام میں لانا ان پر آب و رنگ چڑھانا نثر نگار کا کام ہے۔منظر نگاری نثری و غیر نثری اصناف کے لیے داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر بہت ہی ناگزیر قدر کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے لیے بے حد فنکارانہ اور صناعانہ شعور و ادراک کی ضرورت ہے۔ماحول اور منظر نگاری دونوں لازم و ملزم ہیں۔ماحول ہی سے منظر نگار مختلف رنگوں کو اکٹھا کر کے تصویر بناتے ہیں۔مختار مسعود ایک ماحول شناس ادیب ہے۔وہ ماحول کے نبض پر ہاتھ رکھ کر نہایت فنکاری سے اس کو قلم کی نوک پر لے آتے ہیں۔مکاو میں دورانِ سیاحت وہ ایک کیسینو میں داخل ہوئے انھوں نے داخلہ کے ٹکٹ کے لیے جیب سے رقم نکالنی چاہی۔معلوم ہوا کہ اس زیاں خانہ میں داخلہ مفت ہے۔اس کے لیے عاقل اور بالغ ہونے یا قائمی ہوش و حواس کی بھی کوئی شرط نہیں بس حاسب نصاب ہونا کافی ہے۔اس ماحول کی منظر کشی انھوں نے کچھ یوں کی ہیں:

"منقش اور بل دار مرمریں سیڑھیوں آراستہ کمروں داخلی زینتی فواروں دھنک رنگ شیشوں آرائشی فانوسوں عریاں مجسموں اور ایک طویل راہرو سے ہوتے ہوئے مسافر (مصنف) ایک طویل ہال میں جانکلا۔ ہال کا سرسری جائزہ لیا۔ ترتیب فوراً سمجھ میں آگئی۔ اس گول ہال کا فرش ایک جھیل کی سطح ہے۔ لہروں کے دائرے بنے ہوئے ہیں ایک دائرہ کے اندر دوسرا اور دوسرے کے اندر تیسرا۔ محیط پر کنارے کے ساتھ جو دائرہ ہے وہ ہلکی لہر کا ہے اس کے بعد ہر لہر پچھلی لہر سے کئی گنا بڑی ہے طوفان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہال کے وسط میں ایک ایسا بھنور آتا ہے گویا قیامت ہو۔"(۹)

منظر نگاری کو کسی ایک باب میں اسیر نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ منظر نگاری کے لیے علوم وفنون کا عمیق مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ خارجی مطالعہ سے ہٹ کر فطرت کا داخلی مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے مگر ہر دو صورتوں میں نثر نگار یا شاعر کی جمالیاتی حس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جذبات کی شدت بھی منظر نگاری کے لیے مفید ہے۔ غرض ارضی اور آسمانی مظاہر کی تصویر کشی ہی کو منظر نگاری نہیں کہا جاسکتا بلکہ نثر، نظم اور شاعری کا وہ حصہ بھی منظر نگاری کی تعریف میں آتا ہے جو کسی نہ کسی صورت میں فطرت کا عکاس ہو۔ مختار مسعود کی منظر نگاری کو دیکھا جائے تو اس میں ہر سو فطرت ہی فطرت نظر آئے۔ ایران میں دوران ملازمت سیاسی و نجی لمحات ہی نہیں بلکہ انقلاب ایران کی تمام صورت حال کا بحیثیت چشم دید گواہ نہ صرف جائزہ لیا بلکہ کمال فنکاری ساتھ تمام واقعات قلم بند کیے۔ انھوں نے ان سنجیدہ حالات وواقعات کو لکھتے ہوئے بھی منظر نگاری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ نئی کتابوں کی تلاش میں شہنشاہی فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اس منظر کو وہ یوں بیان کرتے ہیں:

"سہ پہر کا وقت ہے۔ البرز برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ ہوا سرد ہے۔ سڑک کے دونوں جانب نالے میں پہاڑی چشمہ کا یخ پانی گول سڈول کا ہی رنگ پتھروں سے ٹکراتا اور اعصاب کو سکون بخشنے والے دھیمے سروں میں گنگناتا شیمران سے جنوب شہر کی طرف رواں دواں ہے۔ لوگ باغ کی سیر کے لیے جمع ہیں۔ جو بچے پارک میں ہے وہ سکیٹ بورڈ پر پھسلنا سیکھ رہے ہیں جن نوجوانوں کو یہ فن آتا ہے وہ کرتب دکھلا رہے ہیں۔"(۱۰)

فطرت نگاری کے حوالے سے برف باری کے منظر کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

"کوہ البرز کی سب سے اونچی چوٹی ساری گرمیوں ننگے سر دھوپ میں کھڑی رہی اور جو نہی اکتوبر میں گلابی جاڑا شروع ہوا اس نے ایک رات خاموشی سے برف کی سفید ٹوپی اوڑھ لی۔ برف کم کم تھی۔ سستی ململ کی جھلمل کرتی ٹوپی اتنی شفاف تھی کہ آر پار سب کچھ نظر آتا۔ سردی بڑھتی چلی گئی۔ پھر راتوں کو چپکے چپکے ہوا کی نمی جم جاتی اور برف میں اضافہ ہو جاتا۔ چند ہی دنوں میں سلسلہِ کوہ البرز کی ساری چوٹیوں کی دستار بندی ہو گئی۔"(۱۱)

در حقیقت منظر نگاری شاعری کی طرح نثر کی بھی ایک مستقل صنف ہے۔ مناظر قدرت انسان کے دل میں مسرت، خوشی، انبساط، خوف اور عبرت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے اس میں صرف جذبہ انگیز چیزیں مثلاً چاندنی، برسات، بہار، کوہ و صحرا، آسمان، سمندر وغیرہ داخل ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک اور قریبی صنف وصف نگاری ہے۔ اس صنف کو تحریک جذبات سے کوئی لازمی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں صرف موجودات عالم کی حقیقت یا ان کے مخصوص اوصاف نمایاں کیے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں مصنوعی چیزیں مثلاً جلوس، دربار اور بارات وغیرہ شامل ہیں۔ مجموعی طور سے دونوں اصناف شاعری کے لیے الگ الگ مگر نثر کے لیے ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس حیثیت سے دنیا کی ہر چیز منظر نگاری کے دائرہ میں آجاتی ہے۔ مختار مسعود نے ان دونوں اصناف سے اپنی نثر میں بھر پور فائدہ اٹھایا۔ ان کی نثر میں فطرت اور موجودات عالم کی خوب صورت منظر نگاری کے نمونے ہر دوسرے پیراگراف میں موجود ہے۔ ایک دفعہ کسی تقریب کے سلسلے میں مختار مسعود، ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر منظور الٰہی، کمشنر بہاولپور مسعود محمود اور بریگیڈیئر افضل نواب بہاولپور کے ہاں مدعو تھے۔ یہ ایک ایسی تقریب تھی جس کے خاطر رات بھر کے لیے چاروں کو ایک مہمان خانے میں ٹھہرنا پڑا۔ اس مہمان خانے کی منظر نگاری مختار نے یوں کی ہیں:

"ہم چاروں کو ایک سنگ مرمر کے مہمان خانے میں ٹھہرنا پڑا۔ ایک چھوٹا سا محل تھا جس میں دالان کے چاروں کونوں پر چار آپار تمان بنے ہوئے تھے۔ نواب بہاولپور کا مہمان خانہ تھا۔ راجوں مہاراجوں کے ٹھہرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ہر شے پرانی، قیمتی اور ضرورت سے ذرا زیادہ آرام دہ تھی۔ کروٹ لو تو سنہری پلنگ جھولے کی

طرح جھولتا تھا۔ گدا اتنا نرم کہ سونے والا اس میں دھنس جائے دلائی اور تکیے میں مرغابی کے پر بھرے ہوئے تھے۔ پردے مخملیں یا بنارسی۔ قالین کلاں اور دبیز۔"(۱۲)

مختار مسعود کی نثر میں منظر نگاری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی نثر میں محتاط انداز سے کی گئی منظر نگاری قاری کو مرعوب کرتی ہے۔ ان کی نثر میں کائناتی مناظر نطق و گویائی عطا کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ کامیاب نثر نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ نثر میں مناظر و مظاہر کو ایسے تخلیقی انداز میں پیش کرے کہ قاری محسوس کرے کہ مصنف نے مناظر کی روح میں اتر جانے کے بعد مناظر کو پیش کیا ہے۔ مختار مسعود کی نثر میں داستانوی رنگ، افسانوی فضا، ناول کی چاشنی، ڈرامے کی سی منظر نگاری، آپ بیتی کا سا حسن اور جگ بیتی کی سی لذت پائی جاتی ہے۔ ان کی نثر میں جدید و قدیم کی متنوع خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مختار مسعود بطورِ سچا سیاح مظاہر فطرت اور مظاہر انسانی سے فطری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے نثر نگار ایک مصور کی طرح رنگوں اور لکیروں سے ان مناظر کو بیان نہیں کر سکتا اس کے لیے اس کے پاس صرف خوب صورت الفاظ ہوتے ہیں جن کو کام میں لا کر وہ قاری کے ذہن کے کچھ حصوں کو اس طرح متحرک کر دیتا ہے کہ پورا منظر ہو بہو قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو ایک کامیاب نثر نگار کے لیے لازم ہے کہ وہ لفظوں کے ذریعے منظر کشی کرنے پر قادر ہو۔

حوالہ جات

۱. ملنسار اطہر احمد، دکنی مثنویوں میں منظر نگاری، قومی پریس، بنگلور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۳
۲. ڈاکٹر سلام سندیلوی، اردو شاعری میں منظر نگاری، مقالہ برائے ڈی لٹ، گورکھ پور، س ن، ص ۲۰
۳. مختار مسعود، آواز دوست، ص ۴۷، فائن بکس پرنٹرز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۰
۴. ایضاً، ص ۱۷۰
۵. ایضاً، ص ۱۷۱
۶. مختار مسعود، سفر نصیب، فائن بکس پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۲۰
۷. ایضاً، ص ۱۵۱
۸. ایضاً، ص ۱۹۸

۹. ایضاً، ص ۱۹۹

۱۰. مختار مسعود، لوح ایام، فائن بکس پرنٹرز، لاہور، ص ۱۷۴

۱۱. ایضاً، ص ۱۸۶

۱۲. ایضاً، ص ۳۶۸